شیخ سعدی کا نظریہ اخلاق گلستان سعدی کی روشنی میں

Sheikh Saadi's Theory of Morality in the Light of Gulistan-e-Saadi

1. Muhammad Azeem Sarwer	2. Adeel Zafar
M.Phil Research Scholar, Department of Islamic Studies Bahauddin Zakariya University of Punjab, Multan	Ph.D. Scholar, Department of Islamic Studies Bahauddin Zakariya University of Punjab, Multan
Email : muhammadazeemsarwar113@gmail.com	**Email**: adeelzaffar512@gmail.com

To cite this article:

Muhammad Azeem Sarwer Adeel Zafar(2021) Urdu

شیخ سعدی کا نظریہ اخلاق گلستان سعدی کی روشنی میں

Sheikh Saadi's Theory of Morality in the Light of Gulistan-e-Saadi

Albahis: Journal of Islamic Sciences Research, *1*(2), 1–13. Retrieved from https://brjisr.com/index.php/brjisr/article/view/14

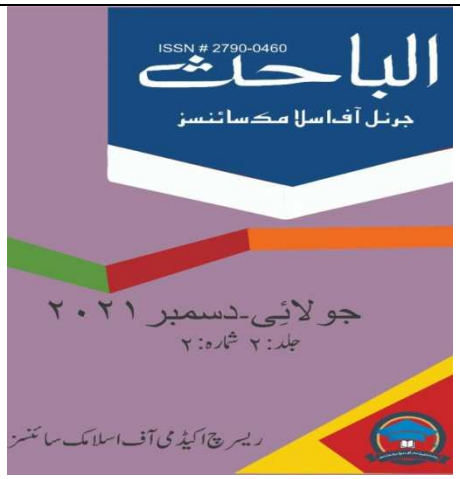

Attribution-NonCommercial-ShareAlike 4.0 International (CC BY-NC-SA 4.0)

OPEN ACCESS

شیخ سعدی کا نظریہ اخلاق گلستان سعدی کی روشنی میں

Sheikh Saadi's Theory of Morality in the Light of Gulistan-e-Saadi

Abstract:

The importance of morality in any society can't be denied. These morals and habits help to improve human life. In Islam, various thinkers, philosophers, mystics and reformers have declared essential the importance of morality in man's social life. Sheikh Saadi is one of them who explained the virtues of morality in Gulistan-e-Saadi which consist of generosity, truthfulness, forgiveness and humility. It has been observed that in some societies laws are made to bind people to morals. These laws are binding on human beings and sometimes punishments are also imposed for not adopting morality. But in human society, these morals and ethical laws are also given importance. Most of the states enforce these laws in general. The main purpose of these morals is to improve the quality of life of human beings, to correct their habits and to change their mood so that they can lead a peaceful, calm and prosperous life in the society. This article will highlight the importance and detailed positive social impacts in the light of Gulistan-e-Saadi.

Keywords: Morality, mystics, human beings, moral values.

کلیدی الفاظ: اخلاقیات، عرفان، انسان، اخلاقی اقدار

تعارف

آپ کا پورا نام شرف الدین اور مصلح لقب اور سعدی تخلص ہے۔ آپ کی ولادت کا سال کسی نے نہیں لکھا۔ صرف سال وفات لکھا ہے یعنی ۶۹۱ ھ اور عمر ۱۱۰، ۱۰۲ یا ۱۲۰ بتائی جاتی ہے۔ آپ کے والد کا نام عبداللہ شیرازی تھا جو کہ حکمران اتابک سعد زنگی کے ہاں کسی خدمت پر مامور تھے۔ غالبا سعد زندگی کی مناسب سے آپ نے اپنا تخلص سعدی رکھا۔ سعدی عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی خوش بختی، نیک اور مبارک کے ہیں۔ آپ ایران کے ایک مشہور شہر شیراز میں پیدا ہوئے اور اسی نسبت سے آپ شیرازی کہلائے۔ شیخ سعدی کے خاندان کے متعلق مختلف روایات ہیں۔ بعض مورخین کے نزدیک آپ یمنی تھے۔ اور بقول شیخ سعدی کے وہ مکی عرب تھے۔ اور ان کا سلسلہ نسب حضرت فاطمہ زہرہؓ سے ملتا ہے۔ اس لحاظ سے آپ فاطمائی عرب تھے۔ [1]

[1] شیروانی، سکندر علی خان، منشی، حیات سعدی، (لاہور: گلزار محمدی پریس)، ص ۱۳

شیخ سعدی کی شخصی وجاہت

شیخ سعدی دراز قامت، صحیح المزاج، قوی اور جفاکش تھے۔آپ کی پیشانی فراخ تھی اور رنگ سرخ تھا۔آپ کے چہرے سے جلال اور تمکنت ظاہر ہوتی تھی۔ شیخ سعدی کا کوئی مخصوص لباس نہیں تھا۔ان میں سادگی اور عاجزی بدرجہ اتم موجود تھی۔ شیخ سعدی کی زندگی مختلف جذبات اور اعمال کا مجموعہ تھی۔ وہ میخانوں، مندروں اور مساجد میں یکساں مظاہر قدرت کا مشاہدہ کرتے تھے۔ شیخ سعدی کھانا بہت کم کھاتے تھے۔ غالباًاسی وجہ سے آپ کی صحت ہمیشہ اچھی رہی۔ آپ ہمیشہ ظلم کے خلاف جہاد کیا کرتے تھے۔آپ نے بادشاہوں کی مجالس دیکھیں۔ فقراء کی صحبت اختیار کی۔ ساری دنیا کے چکر لگائے۔ شیخ سعدی خوبصورتی کو پسند کرتے تھے،اس سلسلے میں ان کے کئی اشعار ملتے ہیں۔[2]

تعلیم وتربیت

شیخ سعدی کے والد عبداللہ شیرازی ایک باخدا انسان تھے۔ شیخ سعدی کو نماز روزے کے مسائل بہت تھوڑی عمر میں یاد کرادیئے گئے۔اور بچپن ہی میں ان کو عبادت، شب بیداری اور تلاوت قرآن مجید کا کمال شوق تھا۔ عید اور تہواروں میں ہمیشہ باپ کے ہمراہ رہتے تھے۔آپ کے والد آپ کے اقوال وافعال کی خود نگرانی کرتے تھے۔اور بے موقع بولنے پر سخت سرزنش کرتے تھے۔ شیخ سعدی نے اپنی تربیت کا بڑا سبب باپ کی اسی سرزنش کو قرار دیا ہے۔ شیخ سعدی کے بعض اشعار سے ثابت ہوتا ہے کہ کم سنی میں ان کے والد وفات پاگئے تھے۔اور ان کی تربیت والدہ نے کی۔آپ کی والدہ زیادہ دیر تک زندہ رہیں۔آپ کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ جوانی کی حالت میں آپ کی والدہ حیات تھیں۔ ان دنوں شیراز اور اس کے قرب وجوار میں علماء ومشائخ کی بہت سی جماعتیں موجود تھیں۔ شیخ سعدی کے دل میں ان بزرگوں سے استفادہ کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ شیراز میں اگرچہ تحصیل علم کا ہر قسم کا سامان مہیا تھا۔ سینکڑوں علماء وفضلاء درس وتدریس میں مشغول تھے لیکن اس زمانے میں تحصیل علم کے لیے دور دراز کا سفر اور مشہور درسگاہوں میں حاضر ہونا لازمی امر خیال کیا جاتا تھا۔[3]

آپ کے والد نے آپ کی تربیت بڑے سخت انداز میں کی تھی۔ اس کا اندازہ شیخ سعدی کے ایک بچپن کے واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں کہ بچپن میں میرے والد صاحب مجھے ایک درگاہ میں لے گئے۔ ہم دونوں باپ بیٹے نے تہجد کی نماز ادا کی۔ درگاہ میں کئی لوگ آرام سے سوئے ہوئے تھے۔ نماز سے فارغ ہوئے تو میں نے والد صاحب سے کہا کہ ہم دونوں کتنے خوش قسمت ہیں کہ ہم نے تہجد کی نماز ادا کی جبکہ کئی دوسرے لوگ آرام سے سورہے ہیں۔ میرے والد نے مجھے گھور کر دیکھا اور کہا دوسروں کے عیب کی طرف دیکھنے سے بہتر تھا کہ تم بھی سوتے رہتے۔ خبردار آئندہ دوسروں کے عیوب پر نظر نہ رکھنا۔[4]

شیخ سعدی کو بچپن سے فقر اور درویشی کی جو تعلیم دی گئی شاید اسی وجہ سے طالب علمی کے زمانے میں بھی شیخ سعدی وجد اور سماع کی مجالس میں شریک ہوتا تھا۔اس کے استاد علامہ ابن جوزی ہمیشہ ان کو سماع سے منع کرتا تھا۔ مگر شیخ کو ان کی نصیحت پر عمل کرنا مشکل نظر آتا تھا۔ کیونکہ شیخ سعدی کو سماع کا چسکہ پڑا ہوا تھا۔ایک روز شیخ سعدی کو ایک انتہائی بری آواز والے قوال سے واسطہ پڑا۔ ساری رات مکروہ صحبت میں میسر رہی۔ سماع کا اختتام پر شیخ سعدی نے اپنے سر سے منڈا سا اتارا اور جیب میں سے ایک دینار نکالا اور دونوں چیزیں قول کی نذر کیں۔ دوستوں کو شیخ سعدی کی اس حرکت پر تعجب ہوا۔ تو شیخ نے

---

[2] سجاد حسین قاضی، مولانا، گلستان، (لاہور: مکتبہ رحمانیہ، غزنی اسٹریٹ)، ص ۱۹

[3] احمد حسین خان، منشی، حالاتِ سعدی، (لاہور: مطبع خادم التعلیم، ۱۸۹۵ء)، ص ۳۹

[4] حالی الطاف حسین، حیات سعدی، (لاہور: مجتبائی پریس)، ص ۱۱۱

دوستوں سے کہا کہ میں نے آج اس شخص کی کرامت مشاہدہ کی ہے۔ میرا استاد ہمیشہ سے مجھے منع کرتا تھا مگر میں نے اس کے حکم کی تعمیل نہیں کی۔ آج خوش قسمتی سے اس مبارک جلسے میں آنا ہوا تو اس بزرگ قوال کی انتہائی بری آواز کی وجہ سے میں نے سماع سے توبہ کر لی ہے۔[5]

شیخ سعدی نے اپنی طویل زندگی کے پہلے تیس سال حصول علم اور مطالعے میں صرف کیے۔ اس کے بعد آپ شعر گوئی کرتے رہے اور عمر کے ۱۲ سال تصوف کی اشاعت اور تبلیغ میں صرف کیے۔ آپ نے تصوف کی تعلیم شیخ شہاب الدین سہروردی سے حاصل کی۔ آپ نے شیخ شہاب الدین سہروردی سے خرقہ خلافت بھی حاصل کیا۔ شیخ سعدی کا حافظہ غضب کا تھا۔ اور حصول علم کے لیے سچی تڑپ بھی تھی۔ جو بات سن لیتے وہ ہمیشہ کے لیے ذہن نشین کر لیتے۔ شیخ سعدی کی تحصیل علم اور تبلیغ علم کا مکمل حال جاننا مشکل ہے۔ مگر ظاہراً یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس نے فلسفہ اور حکمت کی طرف کم توجہ دی۔ زیادہ تر ان کی توجہ دینیات، علم سلوک اور علم ادب کی جانب رہی۔ اور خاص کر وعظ اور خطابت میں ان کو عبور حاصل تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ان کے ہم جماعت اس کی خوش بیانی پر رشک کرتے تھے۔

شیخ سعدی کو علم و فضل کے علاوہ اکثر زبانوں سے واقفیت بھی حاصل تھی۔ عرب، شام اور مصر وغیرہ میں رہتے ہوئے وہاں کی زبان گویا ان کی مادری زبان بن گئی تھی۔ وعظ اور بحث و مباحثہ اور تمام معاملات عربی زبان میں کرتے تھے۔ ان کو صرف روز مرہ کی بول چال پر ہی قدرت نہ تھی بلکہ عربی قصائد وغیرہ ان کی کلیات میں موجود ہیں۔[6]

سیر و سیاحت

تحصیل علم سے فارغ ہو کر شیخ سعدی نے سیر و سیاحت شروع کی۔ وہ بیک وقت شاعر، صوفی، فقیہ، واعظ اور حسن پرست تھے۔ غالباً اس لیے شیخ سعدی نے مظاہر قدرت کے مشاہدے کا فیصلہ کیا۔ اور بڑے بڑے سفر کیے۔ نہایت دشوار گزار صحراؤں میں پیدل سینکڑوں میل سفر کیا اور جہاں رات ہو جاتی اسی زمین پر سو جاتے۔

سر گوراوسلی[7] لکھتے ہیں کہ ''مشرقی سیاحوں میں ابن بطوطہ کے سوا شیخ سعدی سے بڑھ کر کوئی سیاح ہم نے نہیں سنا۔ اس نے ایشیائے کوچک، بربر، حبش، مصر، شام، فلسطین، آرمینیا، عرب، ایران، توران، ہندوستان، رودبار، کاشغر اور جیحون سے آگے تک کی سیر کی تھی۔'' شیخ سعدی کو تین بار ہندوستان آنے کا اتفاق ہوا۔ ایک دفعہ سلطان التمش کے دور میں اور دو دفعہ امیر خسرو سے ملنے کے لیے دہلی آئے اور پاکستان کے شہر ملتان تک اپنا قدم رکھا''۔[8]

شیخ سعدی نے آبی سفر بھی بہت کیے۔ خلیج فارس، بحر عمان، بحر ہند، بحیرہ عرب اور بحیرہ روم میں کئی سفر کیے۔ سفر کے دوران آپ قید بھی ہوئے اور کئی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ سفر کے دوران شیخ سعدی کی ملاقات ہر قسم کے لوگوں سے ہوئی۔ اسی سیاحت کی وجہ سے شیخ سعدی کو بہت سی زبانوں پر عبور حاصل تھا۔ آپ جس علاقے میں جاتے تھے۔ وہاں کی زبان سیکھ لیتے تھے۔ لوگ آپ کو خطیب اعظم کہتے تھے۔ آپ نے سیر و سیاحت کو حصول علم کا ذریعہ بنا دیا۔ اکثر تذکرہ نویس لکھتے ہیں کہ شیخ سعدی نے ۱۴ حج پیدل کیے ہیں۔ اور خود شیخ سعدی کے کلام سے بھی ایسا ہی ثابت ہوتا ہے۔

شیخ سعدی اپنے ایک سفر کا حال جو کہ بوستان میں ہے اس طرح لکھتے ہیں کہ بیابان فید جو کہ ایک لق ودق صحرا، چھ سو میل لمبا اور چار سو میل چوڑا ہے جو حجاج کوفہ سے مکہ معظّمہ کو جاتے ہیں ان کے راستے میں فید ایک بستی ہے جس کے نام سے یہ صحرا مشہور ہے۔ اس صحرا میں پانی بہت کم ہے اور آبادی

---

[5] شیروانی سکندر علی خان، منشی، حیات سعدی، ص ۲۷

[6] محمد سعید، تاریخ سہروردیہ، (کراچی: گیلانی پرنٹرز)، ص ۱۴۵۔۱۴۶

[7] سر گوراوسلی ۱۸۷۸ء میں سیاحت کی غرض سے انگلستان سے ہندوستان آئے۔ پھر گورنمنٹ کی طرف سے ایران میں سفیر ہو کر گئے۔ سفارت کے زمانے میں ایران کے مشہور شاعروں کے بارے میں ایک تذکرہ بھی لکھا۔

[8] حالی الطاف حسین ، حیات سعدی، ص ۶۹

کہیں نظر نہیں آتی۔ شیخ سعدی اسی راہ سے حج کے لیے روانہ ہوئے۔ شیخ سعدی کہتے ہیں کہ بیابان فید میں ایک رات نیند کا ایسا غلبہ ہوا کہ میں چلتے چلتے راہ میں سو گیا۔ میں سویا ہوا تھا کہ ایک اونٹ سوار آیا اور اس نے اونٹ کی نکیل میرے سر پر مار کر کہا کیا تم نے مرنے کا ارادہ کیا ہے جو اونٹ کی گھنٹی کی آواز سن کر بھی نہیں اٹھتا۔ اس سفر سے اندازہ ہوتا ہے کہ شیخ سعدی نے سفر کے دوران بہت تکلیفیں اٹھائی ہیں۔ شیخ سعدی کے کلام سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہمیشہ بے سر وسامان اور توکل رکھنے والے درویشوں کی طرح سفر کرتا رہا ہے اور بعض موقعوں پر حالت سفر میں انتہائی مشکل حالات کا سامنا کرنا پڑا ہے۔[9]

شیخ سعدی اور معاش:

شیخ سعدی کی زندگی کا بیشتر حصہ غربت میں گزارا۔ لیکن انہوں نے خود داری کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ ایک دفعہ شیخ سعدی اسکندریہ میں تھے تو وہاں سخت قحط پڑا اور درویشوں پر بہت سخت گزرنے لگی۔ وہاں ایک ہیجڑہ بہت دولت مند تھا۔ غریبوں اور پردیسیوں کو وہاں سے کھانا اور نقدی ملتی تھی۔ کچھ درویش شیخ سعدی کے پاس آئے اور اس ہیجڑے کے ہاں دعوت میں چلنے کا کہا۔ شیخ سعدی نے ان کے ساتھ دعوت میں جانے سے انکار کیا اور کہا کہ شیر بھوک کے مارے مر بھی جائے تو بھی کتے کا جھوٹا نہیں کھاتا۔[10]

شیخ سعدی نے سعد زنگی کے ابتدائے حکومت میں تحصیل علم کے لیے ترک وطن اختیار کیا تھا۔ شیراز سے نکل کر سعد زنگی کے زمانے میں شیخ سعدی وطن واپس نہیں آئے کیونکہ انہوں نے شیراز سے چلتے وقت وہاں کی حالت انتہائی ابتر اور خراب دیکھی تھی۔ لیکن جب سعد زنگی کا بیٹا ابو بکر تخت نشین ہوا اور اس کے وطن میں واقعی امن وامان قائم ہو گیا۔ تب شیخ سعدی نے واپس وطن جانے کا فیصلہ کیا اور شام سے عراق اور اصفہان سے ہوتے ہوئے اپنے وطن شیراز آپہنچے۔ شیراز پہنچ کر شاہی تعلقات سے بالکل قطع تعلق رہنا ممکن نہ تھا۔ اس لیے ابو بکر بن سعد زنگی کے درباریوں میں شامل ہو گئے۔ اور کئی مدحیہ قصائد لکھے لیکن ابو بکر سعد زنگی نے ان کے رتبے کے مطابق ان کا احترام نہ کیا لیکن جو لوگ صاحب علم و فضل تھے وہ شیخ سعدی کا بے حد احترام و تکریم کرتے تھے۔ اس دور میں ان کے علم و فضل کے اصل قدر دان خواجہ شمس الدین صاحب دیوان اور ان کے بھائی خواجہ علاؤالدین تھے۔[11]

تصانیف:

گلستان اور بوستان شیخ سعدی کی ایسی تصانیف ہیں جن کو سدابہار حیثیت حاصل ہے۔ ان دونوں کتابوں میں تہذیب واخلاق، پند و نصائح اور فصاحت و بلاغت بے بہا موجود ہے۔ بوستان میں اخلاقی موضوعات پر نظمیں جبکہ گلستان بنیادی طور پر نثر میں ہے۔ گلستان میں اہم اخلاقی مسئلوں کو کہانیوں کی شکل میں پیش کیا گیا ہے۔ آپ کی تصانیف نے تمام دنیا کے لوگوں کو بالخصوص ایشیاء کے لوگوں کو بہت متاثر کیا۔ شیخ سعدی کی تصانیف کی تفصیل درج ذیل ہے۔

۱۔	گلستان	۲۔	بوستان (اس کا ایک نام سعدی نامہ بھی ہے)
۳۔	عربی قصیدہ قافیہ مہم	۴۔	دوسرا رسالہ
۵۔	طیبات	۶۔	بدائع
۷۔	قصائد فارسیہ	۸۔	قصائد عربیہ
۹۔	مراثی	۱۰۔	مقطعات
۱۱۔	مثلثات (تین زبانوں میں عربی، فارسی اور ترکی)		

[9] زیدی، نظر، حکایات گلستان سعدی، (لاہور: فیروز سنز)، ص ۱۷۹

[10] ابن علی، حکایات سعدی، (لاہور: مشتاق بک کارنر)، ص ۸۹

[11] اکبر عبدالحمید، شیخ سعدی کی علمی عظمت اور ان کے فکر و فن کی افاقیت، (لاہور: بیت العلوم پرانی انار کلی)، ص ۲۳۱

۱۲۔ ملمعات ۱۳۔ خواتیم

۱۴۔ رباعیات ۱۵۔ رسائل (۱،۳،۴،۵،۶)

۱۶۔ غزلیات قدیم ۱۷۔ ہزلیات

۱۸۔ مطائبات ۱۹۔ صاحبیہ

۲۰۔ پندنامہ (جسے عرف عام میں کریما کہتے ہیں)

اہل یورپ نے شیخ سعدی کے کلام کے جو حصے شائع اور تراجم کیے اس کا مختصر حال یہ ہے۔

1. رسالہ دوم کی پانچ مجلسوں میں سے تیسری اور چوتھی مجلس کو ایم گویڈماں نے مع ترجمہ اور شرح کے بمقام بریسلا (۱۸۹۸ء) میں شائع کیا۔
2. بوستان کا ترجمہ مع شرح کے ایچ۔ گراف نے جرمن زبان ۱۸۹۱۴ میں بمقام لندن شائع کیا۔
3. بوستان کا انگریزی ترجمہ ایچ۔ ویلبر فورس کلارک نے بمقام لندن ۱۸۷۹ء میں شائع کیا۔
4. گلستان کا انگریزی ترجمہ اڈیسنس، گلیاڈون اور ای۔ بی ایسٹورک نے ۱۸۰۶ء میں کیا۔
5. گلستان کا ترجمہ فرانسیسی میں اے۔ ڈی رائر نے ۱۶۳۴۴ میں، ڈالیگر نے ۱۷۰۴ء، گاندان نے ۱۷۸۹ء میں، سیمیلٹ نے ۱۸۸۵ء میں کیا۔
6. جرمن زبان میں گلستان کا ترجمہ اوم اولباری ۱۶۵۴ء میں کیا اور بی ڈارن نے ہامبرک کے مقام پر ۱۸۲۲ء میں جرمن میں ترجمہ کر کے شائع کیا۔
7. روسی زبان میں فسر نیبر نے ۱۸۵۷ء میں ماسکو میں ترجمہ شائع کیا۔
8. پولینڈ کے آٹونوسکی نے گلستان کا ترجمہ پولش زبان میں ۱۸۷۹ء میں دارسا کے مقام پر شائع کیا۔[12]
9. سودی نے ترکی زبان میں گلستان کے تراجم ۱۲۸۶ء اور ۱۲۹۳ء میں شائع کیے۔
10. عربی میں بمقام بولاق ۱۲۸۳ء میں اور ہندوستانی میں میر شیر علی افسوس نے کلکتہ میں ۱۸۵۲ء میں گلستان کا ترجمہ شائع کیا۔

اس کے علاوہ آپ کی تمام تصانیف کے تراجم ترکی، عربی، انگریزی، فرانسیسی، جرمن، پولش، اردو کے علاوہ کئی زبانوں میں کیے گئے ہیں۔ ہندوستان کی زبان بھاشا میں پنڈت مہر چند داس اور مہاجن اگروال نے تمام گلستان کا ترجمہ نظم کا نظم میں اور نثر کا نثر میں کیا ہے اور اس ترجمے کا نام "پشپوپ بن" رکھا ہے جس کے معنی "باغ کی ایک کیاری" ہے اور جو لفظ گلستان کا مترادف ہے۔[13]

وفات

شیخ سعدی کی وفات ۶۹۱ھ میں شیراز میں ہوئی۔ شیخ سعدی کی عمر کسی نے ایک سو دو برس کی اور کسی نے ایک سو دس بس اور اکثر نے ایک سو بیس لکھی ہے۔ سر گوراوسلی نے انگلستان کے ایک سیاح ولیم فرینکلن کے سفر نامے سے جو کہ ۱۷۸۶ء میں ایران میں گیا تھا۔ شیخ سعدی کے مدفن کا حال اس طرح لکھا ہے، شیخ سعدی کا مزار مقام دلکشا سے ایک میل جانب مشرق پہاڑ کے نیچے واقع ہے۔ عمارت بڑی اور مربع ہے اور قبر سنگین بنی ہوئی ہے۔ مقبرے کی دیواروں پر بہت سے فارسی اشعار لکھے ہوئے ہیں۔ قبر کے تمام ضلعوں پر کچھ عبارت قدیم رسم الخط میں کندہ ہے جس میں شیخ سعدی کا اور ان کی تصانیف کا حال درج ہے۔[14]

---

[12] شفیق رضازاد ، تاریخ ادبیات ایران، ترجم سید مبارزالدین رفعت، (حیدرآباد دکن: جامعہ عثمانیہ، اکتوبر ۱۹۵۵ء)، ص ۲۷۹

[13] اکبر عبدالحمید، شیخ سعدی کی علمی عظمت اور ان کے فکر و فن کی آفاقیت، ص ۱۲۹

[14] نعمانی شبلی، حیات سعدی، (دہلی: خواجہ برقی پریس)، ص ۱۲۲

اسلام کا نظریہ اخلاق

اسلام کا نظریہ اخلاق قدیم اور جدید زمانے کے نظریہ اخلاق کے مقابلے میں زیادہ مکمل ہے۔ مثال کے طور پر حضرت عیسیٰ نے خانگی زندگی بسر نہیں کی اس لیے ان کے قائم کردہ اخلاقی نظام سے یہ پتا لگانا مشکل ہے کہ خانگی زندگی میں انسان کو کس قسم کے اخلاق کی ضرورت ہے۔ اسی طرح راہبوں اور جوگیوں جو کہ دنیا کے معاشرتی نظام سے کٹ کر زندگی بسر کرتے ہیں۔ ان کی زندگی معاشرتی اخلاقی نظام سے خالی ہوتی ہے۔ کیونکہ انہوں نے تو معاشرتی زندگی بسر ہی نہیں کی ہوتی۔ لہٰذا اسلام نے سابقہ اقوام کی اس اخلاقی کمی کو بھی مکمل کر دیا ہے۔ انسان جب دنیا میں آتا ہے کہ اس کا تعلق ہر شے سے تھوڑا بہت ہو جاتا ہے۔ اسی تعلق کو احسن طریقے سے نبھانا اخلاق ہے۔ پھر اسے ایک معاشرتی زندگی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ جس میں اس کے اپنے ماں باپ، اہل وعیال، عزیز واقارب، ہمسائے، دوست احباب سب سے تعلقات استوار ہوتے ہیں۔ حتیٰ کہ حیوانات تک سے اس کے تعلقات استوار ہو جاتے ہیں۔ ان سب معاملات میں انسان پر کچھ فرائض کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اور ان فرائض پر اچھے طریقے سے عمل پیرا ہونا اخلاق میں شامل ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ تمام مذاہب کی بنیاد اخلاق پر ہے جتنے بھی انبیاء کرام تشریف لائے ان کی تعلیمات میں اخلاق کو بنیادی حیثیت حاصل تھی۔ اللہ تعالیٰ نے انسان میں ضمیر اس کی فطرت میں رکھا ہے جس کی وجہ سے وہ برائی اور اچھائی کا فرق محسوس کر لیتا ہے۔ بشرطیکہ ضمیر مردہ نہ ہوا ہو اور قرآن میں اس طرف اشارہ ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

> "یعنی میں روز قیامت کی قسم کھاتا ہوں اور قسم کھاتا ہوں کہ انسان کی اس روح کی جو برے کاموں پر انسان کو ملامت کرتی ہے"۔[15]

اور حضور اکرم ﷺ کی ایک حدیث میں بھی اس طرف اشارہ ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ

> "یعنی نیکی حسن خلق کے تناسب اور موزونیت کا نام ہے اور گناہ وہ جو تمہارے دل میں کھٹکے اور تم اس کو پسند نہ کرو کہ لوگ اس کو جانیں یعنی تم اس کو چھپانے کی کوشش کرو"۔[16]

دنیا کی ساری خوشی، خوشحالی اور امن وامان اخلاق کی وجہ سے ہے۔ دنیا کے تمام مذاہب نے کم وبیش یہی کوشش کی ہے کہ جماعت یا قوم کا اخلاق اچھا رہے اور دنیا کے آخری مذہب اسلام نے بھی یہی کیا ہے۔ اسلام میں مختلف فقہی اختلافات کے باوجود اخلاق پر تمام مکتبہ فکر کے علماء کا موقف یکساں رہا۔ اور اس سلسلے میں شیخ شہاب الدین سہروردی، امام غزالی، شیخ اکبر، عارف رومی، ابن قیم، مجدد سرہندی اور شاہ ولی اللہ دہلوی کی خدمات قابل قدر ہیں۔

شیخ سعدی کا تصور اخلاق

شیخ سعدی کا تمام کلام جو نظم ونثر میں ہے اس میں گلستان کو اعلیٰ مقام حاصل ہے۔ گلستان میں اخلاق، شاعری، نثر، سیاست، شریعت وغیرہ سب کچھ ہے۔ فارسی زبان میں کوئی کتاب گلستان سے زیادہ مقبول نہیں ہوئی ہے۔ ایران، ترکستان، افغانستان اور ہندوستان میں گلستان کی تعلیم آٹھ سو برس سے جاری ہے۔ ایشیاء کے علاوہ یورپ میں بھی گلستان یکساں مقبول ہے۔ گلستان کو شیخ سعدی نے آٹھ باب پر تقسیم کیا ہے اور ہر ایک باب میں مناسب حکایتیں درج کی ہیں۔ اور ان ابواب میں اخلاق کی تقریباً تمام اقسام درج کی ہیں۔ گلستان کے تراجم تقریباً دنیا کی تمام زبانوں میں ہو چکے ہیں جن میں اردو، انگریزی، بنگالی، فرانسیسی، عربی، ترکی کے علاوہ بے شمار زبانوں میں تراجم ہو چکے ہیں۔ گلستان سعدی نظم ونثر کا حسین مجموعہ ہے۔ اس میں شیخ سعدی نے حکایات کو نثر کے انداز میں پیش کیا ہے اور ان حکایات میں قطعات اور نظم کو بھی خوبصورت انداز میں پیش کیا ہے۔ اب ہم گلستان سعدی میں فضائل اخلاق کا جائزہ لیتے ہیں۔

---

[15] القرآن، ۷۵: ۱- ۳

[16] بخاری ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل، الادب المفرد، (دمشق: دار القلم دمشق) ص ۴۵

ا۔ صبر:

شیخ سعدی نے گلستان میں صبر سے متعلق حکایات بیان کی ہیں جن میں روز مرہ زندگی کے واقعات کو بنیاد بناکر صبر کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہیں۔ حکایات میں ہے۔

"دو درویش خراسانی ملازم صحبت۔۔۔ بسلامت خلاص یافت"[17]

"خراسان کے دو فقیر ایک دوسرے کے ساتھ سفر میں تھے۔ ایک کمزور تھا جو کہ دو رات کے بعد کچھ کھالیتا تھا جبکہ دوسرا قوی تھا اور دن میں تین بار کھاتا۔ اتفاقاً ایک شہر کے دروازے پر جاسوسی کے الزام میں گرفتار ہوگئے۔ دونوں کو ایک گھر میں بند کر دیا گیا۔ دو ہفتہ کے بعد پتہ چلا کہ دونوں بے قصور ہیں۔ دروازہ کھول دیا گیا۔ قوی کو مردہ پایا اور کمزور جان بچاکر لے گیا۔ لوگوں کو اس پر تعجب ہوا۔ ایک عقل مند نے کہا کہ مرنے والا بہت زیادہ کھانے والا تھا۔ بے سامانی برداشت نہ کر سکا اور مر گیا اور وہ دوسرا صابر تھا۔ لامحالہ اپنی عادت کے مطابق اس نے صبر کیا اور سلامتی سے بچ گیا"۔

ہر انسان پر ایک وقت ایسا آتا ہے جب اسے مصائب کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ دین اسلام ایسے موقعوں پر ہمیں صبر اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے۔ معاشرتی ناانصافیوں کا مقابلہ بھی ہم صبر کے ذریعے سے اچھی طرح کر سکتے ہیں۔ آج کل کے حالات میں صبر کی اہمیت اور بھی بڑھ گئی ہے۔ گھریلو حالات ہوں یا ملکی اور معاشرتی حالات ہوں ان میں بھی انسان صبر و تحمل کا مظاہرہ کر کے کئی مسائل پر قابو پا سکتا ہے۔ گھر میں چھوٹی چھوٹی باتوں پر لڑائی جھگڑے، ہمسایہ کے کسی ناروا سلوک پر سیخ پا ہو جانا یا کسی سرکاری اہلکار کی بدتمیزی پر غصے میں آجانا، ان سب معاملات کا حل صبر میں چھپا ہوا ہے۔ صبر کے ذریعے ہی سے انسان معاملات کو بگاڑنے کی بجائے، سدھارنے میں کردار ادا کر سکتا ہے۔

۲۔ سخاوت

اللہ تعالیٰ اپنے متقی بندوں کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ میرے بندے وہ ہیں کہ جو میرے راستے میں میرے دیئے ہوئے مال سے خرچ کرتے ہیں جیسا کہ قرآن کریم میں ہے۔

وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ۔[18]

"اور ہم نے ان کو جو روزی دی ہے اس میں سے کچھ (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں"۔

اسی طرح شیخ سعدی سخاوت کے متعلق ایک حکایت میں فرماتے ہیں،

"ملک زادہ گنج فراواں از پدر میراث یافت۔۔۔۔۔۔۔۔ نوشیروں نہ مرو کہ نام نکو گزاشت"[19]

"ایک شہزادہ کو باپ کے ورثہ میں سے بہت بڑا خزانہ ملا۔ اس نے بخشش کا ہاتھ کھول دیا اور خوب سخاوت کی اور بہت سا مال لشکر اور عوام میں لٹا دیا۔ ایک ساتھی نے اس کو نصیحت کرنا شروع کر دی کہ پہلے بادشاہوں

---

[17] شیرازی سعدی ، شیخ شرف الدین، گلستان سعدی، مترجم: مولانا قاضی سجاد حسین، (لاہور: مشتاق بک کارنر، ۲۰۱۶ء)، ص ۱۲۹

[18] القرآن، ۲: ۳

[19] شیرازی، سعدی، شیخ شرف الدین، گلستان سعدی، ص ۵۶

نے یہ دولت محنت سے جمع کی ہے اور کسی ضرورت کے لیے رکھی ہے۔ تو اس طرح کی حرکتوں سے ہاتھ روک لے اس لیے کہ بہت سے واقعات پیش آنے والے ہیں ایسا نہ ہو کہ ضرورت کے وقت آپ عاجز ہو جائیں۔ شہزادے نے اس کی بات سے منہ پھیر لیا اور یہ بات اس کی طبیعت کے موافق نہ آئی اور اس کو جھڑک دیا اور کہا اللہ تعالیٰ نے مجھے اس حکومت کا مالک بنایا ہے تاکہ میں کھاؤں اور بخشوں نہ کہ چوکیدار کی طرح حفاظت کرتا رہوں۔ قارون چالیس خزانے رکھنے کے باوجود ہلاک ہو گیا اور نوشیرواں سخاوت کی وجہ سے نہیں مرا''۔

اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں میں سے دوسروں پر بھی جائز طریقے سے خرچ کرنا سخاوت کہلاتا ہے۔ ہمارے معاشرے میں سخاوت اور اسراف کا فرق ختم ہو کر رہ گیا ہے۔ جہاں کرچ کرنا چاہیے وہاں خرچ نہ کرنا بخل ہے اور جہاں خرچ نہیں کرنا چاہیے وہاں پر خرچ کرنا اسراف ہے۔ گھر والوں کی جائز ضروریات پوری کرنا بھی سخاوت کے زمرے میں آتا ہے۔ ہم غیر ضروری اور غیر اہم چیزوں پر تو خرچ کرنے سے نہیں گھبراتے لیکن کسی غریب کی جائز ضرورت پوری کرنے سے کتراتے ہیں۔ ہمارا ہمسایہ چاہے رات کو بھوکا سو جائے ہمیں اس کی پرواہ نہیں ہوتی۔ جبکہ ایک سخی کی علامت ہی یہی ہے کہ اپنے ارد گرد کے ضرورت مندوں کا خیال رکھے اور ان کی ضروریات کو پورا کرنے میں اپنی کوشش ضرور کرے۔

۳۔ صلہ رحمی

قطع رحمی ایک معاشرتی بیماری ہے جس سے نفرتیں جنم لیتی ہیں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ اپنی خواہشات کو پس پشت ڈال کر لوگوں کے لیے آسانیاں پیدا کی جائیں اور ان کی مشکلات کو حل کیا جائے۔ یہ وہ خصوصیات ہیں جو انسان کے اندر قوت برداشت کو بڑھاتی ہیں اور انسان کے لیے اللہ کے قرب کا باعث بنتی ہیں۔

شیخ سعدی اسی نظریے کی وضاحت کرتے ہوئے گلستان سعدی میں لکھتے ہیں۔

''یکے از ملوک مرضے ہائل بود۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ گوید نہمدراں ہفتہ صحت یافت''[20]

''ایک بادشاہ کو لاعلاج مرض نے گھیر لیا۔ حکیموں کا ایک گروہ اس بات پر متفق ہو گیا کہ اس مرض کی کوئی دوا نہیں۔ لیکن اگر ایک ایسے آدمی کا پتہ چل جائے جو کئی صفات کا مالک ہو تو علاج ممکن ہو سکے گا۔ لوگوں نے ایک چوہدری کے لڑکے کو انہی صفات کا مالک پایا۔ بادشاہ نے لڑکے کے والدین کو بلایا اور بے شمار دولت کے عوض والدین سے بچہ قربان کرنے کی اجازت لے لی۔ اور قاضی نے بھی فتویٰ دے دیا کہ ریاست کے بادشاہ کی جان کی سلامتی کے عوض عوام کے ایک آدمی کا خون بہانا جائز ہے۔ لڑکے نے آسمان کی طرف سر اٹھایا اور مسکرایا۔ بادشاہ نے مسکرانے کی وجہ پوچھی تو لڑکے نے کہا کہ اولاد کا ناز ماں باپ پر ہوتا ہے والدین نے مجھے دولت کے عوض قتل کرنے کے لئے دے دیا اور قاضی نے بھی میرے قتل کا فتویٰ دے دیا اور بادشاہ اپنی بھلائی میرے قتل میں سمجھتا ہے سوائے اللہ تعالیٰ کے اب میں کوئی پناہ نہیں دیکھتا ہوں۔ یہ بات سن کر بادشاہ کا دل بھر آیا اور اس لڑکے پر رحم آگیا۔ بادشاہ نے کہا ایسے بے قصور لڑکے کا خون بہانے سے میرا مرنا ہی بہتر ہے۔ یہ کہہ کر لڑکے کو چھوڑ دیا اور بہت سی دولت بھی دے دی۔ لوگ کہتے ہیں بادشاہ اسی ہفتے تندرست ہو گیا۔''

[20] ایضاً، ص ۶۰

لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کو صلہ رحمی کہا جاتا ہے۔ رشتہ داروں کے ساتھ اچھی طرح پیش آنا، ان کے دکھ سکھ میں شامل ہونا اور ان کی جائز طریقے سے امداد کرنا، صلہ رحمی کہلاتا ہے۔ آج کل ہمارے معاشرے میں بہت سے نیک کام صرف دکھاوے کے لئے کیے جاتے ہیں۔ یہ ریاکاری ہے، انسان اگر صرف اپنے رشتہ داروں کے معاملات کو ہی اچھے طریقے سے سمجھ لے کہ کون سا رشتہ کس مشکل اور مصیبت میں ہے اور کس طرح سے اس کی مدد کر کے اسے اس مشکل سے نکالا جا سکتا ہے تو مشکل میں پڑے کئی لوگ مشکلات سے دامن چھڑا سکتے ہیں۔ رشتہ داروں کی کئی زیادتیوں کو برداشت کر کے صرف اللہ کی رضا کی خاطر ان سے صلہ رحمی سے پیش آنا، یہی اسلام کا حکم ہے۔ لیکن ہم تو اپنے اختلافات قبر تک لے جانے کے قائل ہیں۔

۴۔ قناعت پسندی

اللہ تعالیٰ نے قناعت پسندی کو بہت پسند کیا کیونکہ اسلام کی یہ بنیادی تعلیم ہے کہ میانہ روی اختیار کی ہے اور تھوڑے پر گزارا کیا جائے جس سے اللہ کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے اور انسان معاشرے میں بھی نمایاں مقام حاصل کرتا ہے۔ شیخ سعدی اسی قناعت پسندی کو اپنی کتاب گلستان سعدی میں ایک حکایت کی صورت میں بیان کرتے ہیں۔

"درویشے مجرد بگوشۂ صحرا نشستہ بود۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ زحمت بمن نہ دہی"[21]

"ایک فقیر تنہا ایک جنگل میں بیٹھا ہوا تھا۔ ایک بادشاہ اس کے پاس سے گزرا۔ فقیر نے اس کی طرف کوئی دھیان نہ دیا۔ بادشاہ اس پر بگڑ گیا اور کہنے لگا کہ گدڑی پوشوں کا یہ گروہ جانوروں کی طرح ہے۔ لیاقت اور انسانیت نہیں رکھتا۔ ایک وزیر اس کے نزدیک آیا اور کہا کہ اے مرد خدا روئے زمین کا بادشاہ تیرے پاس سے گزرا تو نے کوئی خدمت نہ کی اور قواعد آداب بجانہ لایا۔ فقیر نے کہا کہ بادشاہ سے کہہ دینا کہ خدمت کی توقع اس سے رکھے جو اس سے انعام کی امید رکھتا ہے اور دوسرا یہ بھی سمجھ لے کہ بادشاہ رعایا کی نگہبانی کے لئے ہیں نہ کہ رعایا بادشاہوں کی تابعداری کے لئے۔ بادشاہ کو فقیر کی بات اچھی لگی اس نے کہا کہ مجھ سے کچھ مانگ۔ فقیر نے کہا کہ یہی مانگتا ہوں کہ دوبارہ اگر مجھے تکلیف نہ پہنچائیں۔"

اللہ تعالیٰ نے جس کو جتنا دیا ہے اسی پر اکتفا کرنا اور راضی برضائے الٰہی رہنا، قناعت پسندی کہلاتا ہے۔ لیکن ہماری خواہشات تو قبر تک ساتھ چلتی ہیں۔ لوگوں کے پاس بے تحاشا دولت و جائیداد ہوتی ہے لیکن اس کے علاوہ ان کی حرص ختم ہونے کا نام نہیں لیتی۔ بے ایمانی، کرپشن، ظلم و ستم سب اسی لالچ کا نتیجہ ہے۔ اولاد اور مال کو اسی لیے فتنہ قرار دیا گیا ہے۔ اولاد کے لیے ہی انسان دوسروں کے حقوق کا پاس نہیں رکھتا۔ قناعت کی بجائے مزید مال کی ہوس ہمارے معاشرے میں ناانصافی اور ظلم کی بنیادی وجوہات میں سے ہے۔ ہمارے معاشرے میں صاحب اقتدار لوگوں سے لے کر عام آدمی تک اسی بیماری میں مبتلا ہیں۔ ایک قناعت پسند آدمی بہت سے تفکرات اور مشکلات سے آزاد رہتا ہے۔ کیونکہ وہ اسی پر اکتفا کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس دے رکھا ہوتا ہے۔ اور اسی پر ہی راضی رہتا ہے۔ جبکہ حرص و ہوس کا شکار آدمی ہر وقت پریشان رہتا ہے کہ کسی طرح مزید دولت و طاقت ہاتھ لگ جائے

۵۔ احسان (بھلائی):

احسان کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

وَاَحۡسِنۡ كَمَاۤ اَحۡسَنَ اللّٰهُ اِلَيۡكَ [22]

"اور نیکی کرو جس طرح کہ خدا نے تمہارے ساتھ نیک برتاؤ کیا ہے"۔

---

[21] ایضاً، ص۶۹

[22] القرآن ۲۸: ۷۷

چنانچہ احسان فضائل اخلاق میں سے بہت اہم ہے جس کی طرف شیخ سعدی نے بھی نشاندہی کی ہے وہ گلستان سعدی میں فرماتے ہیں۔

"باطائفہ بزرگان بہ کشتی نشستہ بودم ---------- دگرتا زیانہ خوردہ بودم در طفلی"[23]

"میں بزرگوں کے ایک گروہ کے ساتھ کشتی میں سوار تھا۔ ہمارے پیچھے ایک چھوٹی کشتی ڈوب گئی اور دو بھائی بھنور میں پھنس گئے۔ بزرگوں میں سے ایک نے ملاح سے کہا کہ ان دونوں کو پکڑے۔ ہر ایک کے عوض تجھے پچاس دینار دوں گا۔ ملاح پانی میں کود پڑا چنانچہ ایک کو نکال دیا دوسرا مر گیا۔ میں نے کہا کہ مرنے والے کی عمر باقی نہیں تھی اسی وجہ سے تونے اسے پکڑنے میں دیر لگائی اور بچ جانے والے کو پکڑنے میں جلدی کی۔ ملاح ہنسا اور کہا جو آپ نے کہا وہ یقینی بات ہے لیکن ایک دوسرا سبب بھی ہے میں نے کہا وہ کیا ہے تو ملاح نے کہا میرا قدرتی طور پر رجحان بچ جانے والے کی طرف تھا اس لیے کہ میں ایک دفعہ جنگل میں تھک گیا تھا تو اس نے مجھے اپنے اونٹ پر بٹھالیا تھا اور مجھ پر احسان کیا تھا اور دوسرے کے ہاتھ سے میں نے بچپن میں کوڑا کھایا تھا۔"

احسان کی بے شمار شکلیں ہیں۔ ان کا احاطہ بہت مشکل ہے۔ البتہ ایک عام شکل یہ ہے کہ دوسروں کے ساتھ نیک سلوک کرنا اور کسی کو مصیبت سے نجات دلانا، قصوروار وں کا قصور معاف کرنا اور غصہ پی جانا بھی احسان ہے۔ احسان ہر انسان کے فرائض میں شامل ہے۔ لیکن جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے مال و دولت سے نوازا ہے ان کے لئے احسان کو اپنانا انتہائی ضروری ہے۔ کسی کے قرض کے بوجھ کو ہلکا کرنا، ضرورت مندوں کو قرض دینا، اور تنگ دست مقروض کو مہلت دینا، یہ سب احسان میں شامل ہے۔ اور احسان کرنا صرف مالدار کے لیے ضروری نہیں ہے بلکہ غریب بھی احسان اور نیکی کا کام کر سکتے ہیں۔ ہماری روزمرہ زندگی میں احسان کرنا تو دور کی بات ہے۔ لوگ دوسروں کو ان کا جائز مقام بھی دینے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ کسی نے مجبوراً قرض لے لیا ہے اور اگر وہ کسی مجبوری کی وجہ سے مقررہ وعدہ پر ادا نہیں کر سکا۔ تو ہم اس کا جینا دو بھر کر دیتے ہیں۔ اور اس کی بے عزتی کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ اور اس طرح رشتہ داروں کے ساتھ بھی ہمارے معاملات احسان والے نہیں ہیں۔ بجائے اس کے ہم ان کی طرف سے کی جانے والی زیادتیوں کو نظر انداز کر کے احسان کرنے والا رویہ اپنائیں الٹا ہم ان سے قطع تعلق کر لیتے ہیں جو کہ بہت بڑا گناہ ہے۔

۶۔ شکر گزاری

انسان کی معاشرتی زندگی میں تعلق مع اللہ کا وجود بہت اہم ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو نعمتوں سے نوازا ہے اس لیے انسان ان نعمتوں کے استعمال اور استفادے کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کی شکر گزاری کرتا ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ خود قرآن کریم میں فرماتا ہے۔

وَ كُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ[24]

"اور شکر کرنے والوں میں سے ہو جا۔"

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا،

"جو لوگوں کا شکر گزار نہیں وہ اللہ تعالیٰ کا بھی شکر گزار نہیں۔"[25]

---

[23] شیرازی سعدی، شیخ شرف الدین، گلستان سعدی، ص ۷۴

[24] القرآن، ۷: ۱۴۴

[25] ابو داؤد، سنن ابی داؤد، کتاب الادب، حدیث ۴۸۱۱

شیخ سعدی شکر گزاری کے بیان میں ایک حکایت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"پارسارا دیدم در کنارِ دریا۔۔۔۔۔ شکر آنکہ بمصیبتے گرفتار نہ بمعصیتے"[26]

"میں (شیخ سعدی) نے ایک نیک آدمی کو دریا کے کنارے پر دیکھا جس کو چیتے نے زخمی کر دیا تھا۔ اور وہ کسی دوا سے اچھا نہ ہوتا تھا۔ ایک زمانے تک اسی تکلیف میں مبتلا رہا۔ اور ہمیشہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا۔ لوگوں نے اس سے پوچھا کہ تو شکر کس چیز کا ادا کرتا ہے تو اس نے کہا کہ میں مصیبت میں گرفتار ہوں نہ کہ گناہ میں۔"

شیخ سعدی کی اس حکایت سے پتہ چلتا ہے کہ دنیا کی مصیبتیں کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔ انسان کو ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہونا چاہیے۔ ہمارا پورا معاشرہ ناشکری کی بیماری میں مبتلا ہے۔ جو شخص جس قدر مالدار ہے بجائے اس کے کہ شکر ادا کرے وہ اس مال داری کو اپنی محنت اور ذہانت کی وجہ سمجھتا ہے۔ اور مجال ہے کہ ایک لفظ بھی زبان سے اللہ تعالیٰ کا شکر کرنے میں ادا ہو جائے۔ صرف مال دار اور دولت مند ہی نہیں بلکہ غرباء بھی ناشکری سے باز نہیں آتے۔ اللہ تعالیٰ نے جس کو جتنا دیا ہے اس پر شکر کرنے کی بجائے دوسروں پر نظر ڈالی جاتی ہے کہ اس کے پاس اتنا زیادہ کیوں ہے۔ اور اس طرح سوچنے سے حسد جیسی مہلک اخلاقی بیماری کا شکار ہو جاتا ہے۔ ازدواجی زندگی میں بھی شکر گزاری کی بڑی اہمیت ہے۔ ایک شوہر دن رات کام کر کے گھر والوں کے لئے نان نفقہ کا اہتمام کرتا ہے لیکن خاتون خانہ ناشکری کرتے ہوئے مزید کچھ کرنے کا تقاضا کرتی ہیں۔ جس کی وجہ سے ناچاقی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کے برعکس کئی خواتین گھر کے کام کاج میں سارا دن مصروف رہتی ہیں۔ لیکن شوہر ان کی خدمات کی تعریف کی بجائے ناشکری کرتا ہے۔ جس کی وجہ سے گھریلو حالات میں ہر وقت کشیدگی کی فضاء بنی رہتی ہے۔

7۔ تحمل و بردباری

تحمل و برداشت فضائل اخلاق میں انتہائی اہم ہے اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ انسان کا اللہ تعالیٰ امتحان لیتا ہے تاکہ یہ دیکھا جا سکے کہ انسان معاشرے میں کس طرح زندگی گزارتا ہے اور بالخصوص جب اللہ تعالیٰ انسان کو مال میں فراوانی اور طاقت عطا کرتا ہے تو پھر انسان اپنی اصلی حقیقت سے منہ موڑ لیتا ہے جو کہ انسان کا اصل امتحان ہے اس لیے تحمل و بردباری کی بار بار تعلیم دی جاتی ہے۔ شیخ سعدی بھی اسی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

"طائفہ رنداں بخلاف درویشے۔۔۔۔ وخرقہ بر و حرام است"[27]

رندوں کا ایک گروہ ایک درویش کی مخالفت پر اتر آیا۔ اس کو برا بھلا کہا اور مارا پیٹا اور ستایا۔ درویش اپنی لاچاری کی شکایت پیر طریقت کے پاس لے گیا کہ میری یہ حالت ہو گئی۔ پیر طریقت نے کہا اے بیٹا فقیروں کی گدڑی رضا کا لباس ہے اور جو اس لباس کو پہن کر تحمل و برداشت نہ کرے وہ خوامخواہ کا دعویدار ہے، فقیر نہیں ہے اور گدڑی پہننا اس پر حرام ہے۔

شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

" گر گزندت رسد، تحمل کن"

"اگر تجھے کوئی تکلیف پہنچے تو برداشت کر۔"

" کہ بہ عفو از گناہ پاک شوی"

"کیونکہ معاف کر کے تو گناہ سے پاک ہو جائے گا۔"

[26] شیرازی، سعدی، شیخ شرف الدین، گلستان سعدی، ص ۹۱

[27] ایضاً، ص ۱۱۸

اگر انسان اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں حقیر جانے اور یہ سمجھے کہ میں اس کے سامنے بے بس ولاچار ہوں تو انسان کو اپنے غصے پر قابو پانے میں آسانی پیدا ہوتی ہے۔ اور تحمل و برداشت کا مادہ انسان میں زیادہ پیدا ہو جاتا ہے۔ گھریلو زندگی ہو، محلّہ میں رہنے والے ہوں یا انسان کی اجتماعی زندگی ہو ہر لحاظ سے انسان کو تحمل و بردباری اپنانا چاہیے اسی لئے غصہ کی بجائے اگر صبر اپنایا جائے تو بہت سی پریشانیوں سے بچا جا سکتا ہے۔ آج کے معاشرے میں قوت برداشت بالکل ختم ہو کر رہ گئی ہے۔ جس کی وجہ سے آئے دن لڑائی جھگڑے اور فساد پر پا ہو رہے ہیں۔ گھریلو زندگی بھی اسی طرح عدم برداشت کی وجہ سے ناکامی کا شکار ہو جاتی ہے۔ چھوٹی چھوٹی غلطیوں پر گالم گلوچ اور لڑائی تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ بے شمار کوتاہیوں کو معاف فرما کر رزق دے رہا ہے۔ ہمیں بھی تحمل و برداشت سے کام لینا چاہیے۔ تحمل و بردباری رکھنے والے شخص کو کم پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

۸۔ خودداری

خودداری وہ اخلاقی صفت ہے جس کے ذریعے انسان اپنی عزت اور وقار کو مجروح نہیں ہونے دیتا۔ شیخ سعدی نے ایک حکایت کے ذریعے اسے اس طرح بیان کیا ہے۔

"حاتم طائی را گفتند۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ بہ ہمت و جوانمردی بیش از خود دیدم"[28]

"حاتم طائی سے لوگوں نے دریافت کیا کہ تو نے دنیا میں اپنے سے زیادہ کوئی ہمت والا دیکھا ہے یا سنا ہے اس نے کہا ہاں۔ میں نے ایک روز عرب کے مال داروں کے لئے چالیس اونٹ ذبح کئے تھے پھر جنگل میں ایک ضرورت کے تحت گیا تھا کہ میں نے ایک لکڑی ہارے کو دیکھا جس نے لکڑیوں کا گٹھا جمع کر رکھا تھا میں نے اس سے کہا کہ حاتم کے ہاں مہمان کیوں نہیں بن جاتا کیونکہ لوگ اس کے دستر خواں پر جمع ہیں اس نے کہا جو اپنی کمائی کی روٹی کھائے وہ حاتم طائی کا احسان نہیں اٹھاتا ہے۔ میں نے ہمت اور خودداری میں اسے اپنے سے زیادہ دیکھا۔"

خودداری ہی کی وجہ سے انسان اپنی عزت اور مرتبے کی حفاظت کرتا ہے۔ زندگی کے ہر شعبے میں خودداری کی ضرورت ہوتی ہے۔ جس انسان میں یہ صفت نہیں ہو گی اس کی لوگوں کی نگاہ میں نہ عزت ہو گی اور نہ ہی اس کی باتوں پر توجہ دی جائے گی اور نہ ہی وہ کسی محفل میں وقار حاصل کر سکے گا۔ خودداری اور غرور میں فرق ہے۔ خودداری شرافت کا نام ہے خودداری کے لئے انسان کو چال ڈھال، بول چال، لباس وغیرہ سے شرافت کا اظہار کرنا چاہیے لیکن ان باتوں میں غرور اور تکبر نظر نہ آئے آج کل کے دور میں یہ اخلاقی صفت ختم ہو رہی ہے۔ فقر و فاقہ یا حرص و طمع کی وجہ سے لوگ اپنی خودداری کو داؤ پر لگا دیتے ہیں۔ فقر و فاقہ کی حالت میں لوگوں سے مدد کی درخواست کرنا بھی خودداری کے خلاف ہے۔ اسی طرح ایک اور لعنت گداگری کی ہے جو ہمارے معاشرے میں اپنی جڑیں مضبوط کر چکی ہے گداگری نے خودداری کا جنازہ نکال کر رکھ دیا ہے اور حکومتی سطح پر بھی اس لعنت کے سدباب کے لئے کوئی ٹھوس اقدامات نہیں اٹھائے جا رہے اسی وجہ سے لوگوں میں خودداری نام کی کوئی چیز پیدا نہیں ہو رہی۔

۹۔ عفوودر گزر

عفوودر گزر اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور اللہ بندوں کو بھی معاف کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ[29]

"عفو اختیار کرو اور نیک کام کرنے کا حکم دو اور جاہلوں سے کنارہ کر لو۔"

---

[28] ایضاً، ص ۱۳۵

[29] القرآن، ۷: ۱۹۹

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اللہ تعالیٰ کے فرمان "خذالعفو" کے بارے میں کہتے ہیں کہ اللہ کے نبیؐ کو حکم دیا گیا کہ لوگوں کے اخلاق کے بارے میں در گزر اختیار کریں۔"[30]

اس اخلاقی صفت کو شیخ سعدی نے حکایت کے ذریعے یوں بیان کی ہے۔

"رفیقے داشتم۔۔۔۔۔فرستادم و صلح کردم"[31]

"میرا ایک ساتھی تھا جس کے ساتھ سالوں سفر کیا، کھانا پینا، اٹھنا بیٹھنا اکھٹے تھا۔ تھوڑے سے نفع کی خاطر اس نے مجھے ستانا شروع کر دیا اور دوستی ختم ہو گئی لیکن دونوں طرف سے دلی وابستگی برقرار رہی۔ ایک دن میں نے سنا کہ وہ ایک مجمع میں میرے کلام کے دو شعر پڑھ رہا تھا۔ کئی دوستوں نے یہ بات مجھے آکر بتائی اور ہماری دوستی کے ختم ہونے پر افسوس کیا۔ میں نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا اور در گزر سے کام لیا جب میری اس سے ملاقات ہوئی تو میرے دوست کے جذبات بھی میری طرح کے تھے اس لیے ہم نے در گزر سے کام لیتے ہوئے صلح کر لی۔"

برائی کا جواب برائی سے نہ دینا، گالی کا جواب گالی سے نہ دینا بلکہ سامنے والے کے ساتھ حسن سلوک کرنا عفوودر گزر کہلاتا ہے۔ اگر ہم اس پر عمل کریں تو سارے جھگڑے، سارے فسادات، ساری عداوتیں اور ساری دشمنیاں ختم ہو کر رہ جائیں۔ جبکہ ہمارے معاشرے میں آج کل صورت حال کچھ اس طرح ہے کہ ایک شخص کے اختلافات کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ لیکن بالآخر کسی مرحلے پر صلح کرنا پڑتی ہے۔ تب تک دونوں طرف سے بے شمار نقصان ہو چکا ہوتا ہے۔ اگر شروع ہی سے عفوودر گزر سے کام لیا جائے تو کئی پریشانیوں سے محفوظ رہا جا سکتا ہے۔ رشتہ داروں کے ساتھ معمولی سے معاملات کو اختلاف کا باعث بنا دیا جاتا ہے۔ اور قطع تعلق کر لیا جاتا ہے۔ دونوں فریق ایک دوسرے کو معاف کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ اس طرح پورے خاندان کا شیرازہ بکھر جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بھی ہماری نافرمانیوں کو معاف کر رہا ہے۔ لیکن ہم کسی دوسرے کی چھوٹی سی غلطی کو بھی معاف نہیں کرتے۔ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ عفوودر گزر سے ان کا رعب و دبدبہ ختم ہو جائے گا۔ جبکہ یہ خیال غلط ہے۔ عفوودر گزر سے انسان کی شرافت ظاہر ہوتی ہے اور یہی شریفانہ وقار انسان کی زندگی میں عزت کا باعث بنتا ہے۔

۱۱۔ تواضع وانکساری:

تواضع وانکساری ایک اہم اخلاقی صفت ہے جو انسان کی اس کیفیت کو بیان کرتی ہے جس میں وہ اپنی طاقت کے ہوتے ہوئے عاجزی اختیار کرتا ہے یہ عاجزی اللہ کو بہت پسندی ہے۔ شیخ سعدی بھی اسی طرف نشاندہی کرتے ہیں۔

"درویشے رادیدم ۔۔۔۔ ولاتفعل بنامانحن اھلہ"[32]

"میں نے ایک فقیر کو دیکھا کہ وہ خانہ کعبہ کی چوکھٹ پر سر رگڑ رہا تھا اور رو رہا تھا اور کہہ رہا تھا، اے غفور، اے رحیم تو جانتا ہے کہ مجھ ظالم اور جاہل سے کیا ہو سکتا ہے۔ میں خدمت میں کمی کا عذر لے کر آیا ہوں اس لیے کہ عبادت پر تو بھروسہ نہیں ہے۔ عبادت گزار عبادت کا بدلہ چاہتے ہیں اور سوداگر سامان کی قیمت۔ لیکن میں صرف امید لے کر آیا ہوں۔ نہ بندگی کا صلہ مانگتا ہوں اور نہ تجارت کرنے آیا ہوں۔ ہمارے ساتھ وہ کر جس کا تو اہل ہے وہ نہ کر جس کے ہم سزاوار ہیں۔"

---

[30] ابوداؤد سنن ابی، کتاب الادب، ح ۴۷۸۷

[31] شیرازی، سعدی، مصلح، شیخ شرف الدین، گلستان سعدی، ص ۱۸۶

[32] ایضاً، ص ۸۱

تواضع کے معنی ہیں اپنے آپ کو کم درجہ سمجھنا، آج کل صرف تواضع کے الفاظ استعمال کرتے ہیں مثلاً اپنے آپ کو احقر کہہ دیا، ناچیز، خطا کار اور گناہ گار کہہ دیا اور سمجھتے ہیں کہ ان الفاظ کے استعمال سے تواضع وانکساری حاصل ہو گئی۔ تواضع وانکساری دل کا عمل ہے کہ آدمی اپنے آپ کو دل میں بے حقیقت سمجھے۔ اور تکبر اور غرور پیدا نہ ہو۔ ہمارے ماحول میں تواضع اور انکساری اس وقت کی جاتی ہے۔ جب کوئی مطلب حاصل کرنا ہو۔ سیاستدانوں کو دیکھ لیں۔ الیکشن کے دنوں میں فاتحہ خوانی کے لیے بھی آئیں گے۔ ہاتھ ماتھے پر رکھ کر سلام بھی کریں گے یہ انکساری نہیں بلکہ منافقت ہے۔ کسی سرکاری اہلکار سے کوئی کام ہو تو ہم انتہائی عجز وانکساری سے یا دوسری لفظوں میں خوشامد سے کام لیتے ہیں۔ اور کام نکلنے کے بعد اسی شخص کو پیٹھ پیچھے ہم گالیاں دیتے ہیں۔ اس لیے کہا گیا ہے کہ عجز وانکساری دل کا عمل ہے۔

۱۲۔ صدق (سچائی)

سچائی ایک ایسی اخلاقی صفت ہے جو انسانی زندگی کا معیار بلند کرتی ہے بلکہ سچائی میں انسان کی اصل نجات ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ[33]

"اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو۔"

سچائی کے متعلق نبی کریم ﷺ کا فرمان مبارک ہے:

"سچ بولنا نیکی کا راستہ بتاتا ہے اور نیکی جنت کو لے جاتی ہے اور آدمی سچ بولتا جاتا ہے اور سچ بولتے بولتے وہ صدیق ہو جاتا ہے اور جھوٹ بدکاری کا راستہ بتاتا ہے اور بدکاری دوزخ کو لے جاتی ہے اور آدمی جھوٹ بولتا جاتا ہے یہاں تک کہ جھوٹ بولتے بولتے وہ اللہ کے ہاں جھوٹا لکھ لیا جاتا ہے۔"[34]

سچ اور جھوٹ کو واضح کرنے کے لئے شیخ سعدی نے ایک خوبصورت حکایت بیان کی ہے۔ فرماتے ہیں،

"پادشاہے راشنیدم۔۔۔۔ از راستی فتنہ انگیز"[35]

"میں نے ایک بادشاہ کے بارے میں سنا کہ اس نے قیدی کے قتل کا حکم دیا۔ قیدی نے اپنی زبان میں بادشاہ کو گالیاں دینا اور سخت سست کہنا شروع کر دیا۔ بادشاہ نے دریافت کیا کہ یہ کیا کہتا ہے۔ ایک نیک خصلت وزیر بولا، اے بادشاہ وہ کہہ رہا ہے کہ وہ لوگ بہت اچھے ہیں جو غصہ پی جاتے ہیں اور لوگوں کو معاف کر دیتے ہیں۔ بادشاہ کو رحم آگیا اور اس کو قتل کرنے کا خیال ترک کر دیا۔ دوسرا وزیر جو اس وزیر کا مخالف تھا، بولا ہمارے ہم پیشہ لوگوں کے لیے یہ مناسب نہیں کہ بادشاہوں کے دربار میں جھوٹ بولیں۔ اس قیدی نے تو بادشاہ کو گالیاں دی ہیں۔ بادشاہ یہ سن کر ناراض ہوا اور بولا وہ جھوٹ جو اس وزیر نے بولا مجھے تیرے سچ سے زیادہ پسند آیا جو تو نے کہا اس لیے کہ اس کا رخ نیکی کی طرف تھا اور تیرے سچ کی بنیاد خباثت پر ہے۔ اور عقل مندوں نے کہا ہے کہ مصلحت آمیز جھوٹ، فتنہ برپا کر دینے والے سچ سے بہتر ہے۔"

انسان کے ہر فعل اور عمل میں صدق یعنی سچائی کا بہت عمل دخل ہے۔ سچائی کی عادت انسان کو بے شمار برائیوں سے بچاتی ہے۔ سچے آدمی پر لوگوں کو اعتبار ہوگا۔ زندگی کا کوئی بھی پہلو ہو سچائی کو اہمیت حاصل ہے۔ آج کل کا ماحول سچائی سے بالکل دور ہے۔ انصاف کے تقاضے کس طرح پورے

---

[33] القرآن، ۹: ۱۱۹

[34] بخاری صحیح بخاری، کتاب الادب، حدیث ۱۱۹۵

[35] شیرازی، سعدی، شیخ شرف الدین، گلستان سعدی، ص ۲۵

ہوں جب عدالتوں میں سچائی کی بجائے جھوٹے گواہ میسر ہوں۔ کاروباری حضرات جھوٹ بول کر اپنا کاروبار بڑھانے کے چکروں میں ہیں۔ ہم گھر بیٹھے بیٹھے اپنے بچوں کو بہلانے کے لئے جھوٹے وعدے کر لیتے ہیں۔ حکمران جھوٹے وعدوں کے ذریعے اقتدار حاصل کر لیتے ہیں۔ اور بعد میں وعدہ وفا کرنا بھول جاتے ہیں۔ تھانوں میں جھوٹ بول کر مقدمات درج کروادیئے جاتے ہیں جس کی وجہ سے لوگوں کو پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ہمارے معاشرے میں مصلحت آمیز جھوٹ نہیں بلکہ حقیقتاً جھوٹ بول کر سچائی کو چھپایا جاتا ہے۔

خلاصہ بحث:

کسی بھی معاشرہ میں اخلاق کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا یہ اخلاق و عادات انسانی زندگی کو بہتر بنانے میں معاون ہوتے ہیں اور بعض اوقات یہی اخلاق و عادات انسانی زندگی کو گراوٹ کا شکار کر دیتے ہیں اس لیے نہ صرف اسلام میں اخلاق کی تعلیم دی گئی ہے بلکہ مختلف مفکرین، فلاسفر، صوفیا اور مصلحین نے اخلاق کی اہمیت کو بیان کیا ہے بلکہ انسان کی معاشرتی زندگی میں اخلاق کو ضروری قرار دیا ہے۔ جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں شیخ سعدی نے گلستان سعدی میں فضائل اخلاق جن میں سخاوت، سچائی، عفو و درگزر اور عجز و انکساری کی وضاحت کی ہے۔ پھر ہم دیکھتے ہیں کہ بعض معاشروں میں افراد کو اخلاق کا پابند بنانے کے لیے قوانین بھی مرتب کیے جاتے ہیں۔ ان قوانین کا انسان کو پابند بنایا جاتا ہے اور بعض اوقات اخلاق کو اختیار نہ کرنے سزائیں بھی تجویز کی جاتی ہیں یہ بات بھی واضح رہے کہ حقیقی جزا و سزا تو انسان کو اللہ کے ہاں ملنی ہے جس پر ہم سب کا عقیدہ اور ایمان ہے مگر انسانی طرزِ معاشرت میں ان اخلاق اور اخلاقی قوانین کو بھی اہمیت دی جاتی ہے ۔ اکثر ریاست ان قوانین کا کلی طور پر نفاذ کرتی ہے۔ ان اخلاق کا بنیادی مقصد انسان کا معیار زندگی بہتر بنانا ان کی عادات و اطوار کو ٹھیک کرنا اور ان کی مزاجی کیفیات کو بدلنا ہوتا ہے تاکہ وہ معاشرے میں پر امن، پر سکون اور خوشحال زندگی گزار سکیں۔

سفارشات:

۱۔ معاشرے میں اخلاقی اہمیت کو اجاگر کرنے کی ضرورت ہے۔

۲۔ صوفیاء کے تصور اخلاق کو زندگی کا حصہ بنانے کی ضرورت ہے۔

۳۔ اخلاقیات کو سکول، کالجز اور یونیورسٹیز کے نصاب کا حصہ بنایا جائے۔

۴۔ اخلاقیات کے حوالے سے سیمینارز اور کانفرنسز منعقد کی جائیں۔

۵۔ شیخ سعدی کی اخلاقی تعلیمات کو عام کرنے کی ضرورت ہے۔

This work is licensed under a Creative Commons Attribution-NonCommercial-ShareAlike 4.0 International (CC BY-NC-SA 4.0)